قانون شکنی یا قانون کو ہاتھ میں لینے کا تصوّر بھی ہمارے دل میں نہیں آنا چاہیئے

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۹؍اپریل ۱۹۷۶ء بمقام مسجد اقصیٰ ربوہ)

تشہّد و تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور نے درج ذیل آیت کا حصہ پڑھا:-

فَاِنْ حَآجُّوْكَ فَقُلْ اَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلّٰهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ (اٰل عمران:۲۱)

پھر حضور انور نے فرمایا:-

سورۃ اٰل عمران کی اس آیت سے قبل جو آیت ہے اس کو اس طرح شروع کیا گیا ہے کہ اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ (اٰل عمران:۲۰) کہ خدا تعالیٰ کے نزدیک اصل دین اس کی کامل فرمانبرداری ہے اور آیت کا جو حصہ میں نے پڑھا ہے اس کے شروع میں کہا گیا ہے کہ اگر وہ دین کے معاملہ میں جھگڑا کریں تو انہیں اپنے عملی نمونہ سے بتاؤ کہ تمہارا دین کیا ہے اَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلّٰهِ تم اپنا سارا وجود خدا کے لئے سونپ دو اور اپنا سب کچھ اس کے حضور پیش کر دو اور جس طرح ہمارا اللہ ربّ العالمین ہے اے اس کے ماننے والو! تم خادم العالمین بن جاؤ۔ یہاں ایک بڑا لطیف نکتہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ ایک تو علمی بحثیں ہوتی ہیں لیکن دین کے معاملہ میں علمی بحثوں کے علاوہ اور ان سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ انسان اپنے عملی نمونہ سے اپنے مقام پر قائم ہو۔

اللہ تعالیٰ نے دین کی روح اور اس کی اصل اور اس کی بنیاد یہ بتائی ہے کہ انسان اللہ

کے لئے اور اللہ میں فنا ہو کر اپنی زندگی کو گذارے۔ کامل فرمانبرداری، ایک ایسی اطاعت جو اس کے معمولی سے معمولی حکم سے بھی باہر لے جانے والی نہ ہو، وہ اطاعت جو کامل ہو، وہ اطاعت جو انسان کے وجود کا اس کے اعمال کا اس کے خیالات کا اس کی سوچ کا اور اس کی عادات کا احاطہ کئے ہوئے ہو، اللہ کی ایسی اطاعت کرنا یہ اصل چیز ہے جو خدا تعالیٰ کے حضور پیش کرنی چاہیئے۔ پہلے آنے والے مذاہب کا بھی یہی مطالبہ تھا کہ جو خدا کہتا ہے وہ مانو اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے جو کامل اور مکمل شریعت انسان کو دی گئی اس کا بھی یہی مطالبہ ہے کہ جو خدا کہتا ہے اس کے مطابق اپنی زندگیوں کو ڈھالو۔ فرق یہ ہے کہ پہلوں کے زمانہ میں خدا تعالیٰ نے ان کی استعدادوں اور طاقتوں کو دیکھتے ہوئے پورا بوجھ ان کے کندھوں پر نہیں ڈالا تھا کیونکہ وہ اس کے متحمل نہیں ہو سکتے تھے۔ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ (اٰل عمران:۲۴) یعنی شریعتِ کاملہ محمدیہ کا صرف ایک حصہ انہیں دیا گیا تھا لیکن جو بھی دیا گیا تھا اس کے متعلق ان سے مطالبہ یہ تھا کہ جو تم سے کہا جاتا ہے وہ تم کرو اور جو ان سے کہا جاتا تھا وہ ایسے احکام تھے جو کامل نہیں تھے کیونکہ اس وقت وہ کامل احکام کے بوجھ کو اُٹھانے کے قابل نہیں تھے ان میں اتنی استعداد نہیں تھی۔ پھر جب انسان کامل شریعت کو اُٹھانے کے قابل ہو گیا تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کامل شریعت اس کے سامنے رکھی اور جو کہا جاتا ہے وہ کرو کی شکل بدل گئی لیکن مذہب کی جو روح تھی وہ وہی رہی کہ جو خدا کہتا ہے وہ کرو۔

ایک لحاظ سے یہ چیز آسان بھی ہے اسی واسطے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے فارسی کلام میں ایک جگہ فرمایا ہے کہ خدا کو پالینا تو ایسا مشکل نہیں ہے وہ جان مانگتا ہے جان دے دو (کامل اطاعت) کامل اطاعت سے انسان اللہ تعالیٰ کے ان فضلوں کا وارث بن جاتا ہے جن کے متعلق خدا کی طرف سے یہ وعدہ ہے کہ اس اطاعت کے نتیجہ میں وہ اس پر نازل ہوں گے۔ پہلوں پر وہ فضل نازل نہیں ہو سکتے تھے کیونکہ جو ان سے کہا گیا تھا جو ان سے مانگا گیا تھا۔ جس کا ان سے مطالبہ کیا گیا تھا وہ اس سے بہت کم تھا جس کا مطالبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی اُمتّ یعنی نوعِ انسانی سے کیا ہے لیکن پہلوں سے جو کہا گیا تھا، جو ان سے مطالبہ کیا گیا تھا وہ لوگ مثلاً حضرت نوح علیہ السلام کے پیروکار یا حضرت موسیٰ علیہ السلام

کی شریعت کو ماننے والے اگر اُن مطالبات کو پورا کرتے جو اُن سے کئے گئے تھے تو وہ اُن فضلوں کے وارث بن جاتے جو ان مطالبات کے پُورا کرنے اور کامل فرمانبرداری کے نتیجہ میں ان کو ملنے تھے اور جن کی بشارت ان کو دی گئی تھی۔ پھر ایک ایسی شریعت جس نے انسانی فطرت کا احاطہ کیا ہوا ہے اور فطرت کے عین مطابق ہے اور ایک کامل شکل میں انسان کے تمام قویٰ کو طاقت دینے کی اہلیت رکھنے والی ہے۔ پوری کی پوری شریعت جو انسان کے لئے مقدر تھی وہ ایک کامل اور عظیم ہستی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے انسان کو ملی اور یہ مطالبہ کیا گیا کہ اسلام لاؤ یعنی خدا میں فنا ہو کر اپنے سارے وجود کو اُس کے سُپرد کر دو پھر تمہیں اتنے فضل ملیں گے کہ پہلوں کا تصور بھی وہاں تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔ قرآن کریم کی اس آیت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اللہ تعالیٰ نے یہ کہا ہے کہ لوگوں کو کہہ دے کہ میں تو اپنے تمام وجود کو خدا کے حضور پیش کرنے والا ہوں اور جو میرے حقیقی متبع ہیں وہ بھی اللہ تعالیٰ کی کامل فرمانبرداری کرنے والے ہیں لیکن چونکہ انسان اپنے اندر بشری کمزوریاں بھی رکھتا ہے اس واسطے ذَكِّرْ کا حکم ہے کہ قرآن کریم نے جو مطالبے کئے ہیں، چھوٹے چھوٹے بھی اور بڑے بڑے بھی ان کی یاد دہانی ہوتی رہے ورنہ انسان بھول جاتا ہے، اس کے ذہن سے محو ہو جاتا ہے۔ شیطان وساوس پیدا کر دیتا ہے اور عملی کمزوریاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ میں نے دیکھا ہے کہ اعتقاداً بڑے ہی مخلص احمدی ایسے بھی ہیں جو اعمال کی طرف توجہ نہیں کر رہے لیکن اعتقادی لحاظ سے وہ اتنے مخلص ہیں کہ اگر اعتقاد پر جان دینے کا موقع ہو تو وہ اپنی جان بھی دے دیں گے اور سب کچھ قربان کر دیں گے لیکن عملاً خود ان کی زندگیوں میں سستی پائی جاتی ہے۔ یہ اندرونی تضاد اور Contradiction ہے اور اندرونی تضاد کامیابی تک نہیں پہنچاتا۔

قرآن کریم نے اس مضمون کو بڑے لطیف پیرایہ میں مختلف مقامات پر بیان کیا ہے کہ ناکامی کی بڑی اور بنیادی وجوہات میں سے تضاد کا پایا جانا اور Contradiction کا پایا جانا ہے۔ چیئرمین ماؤزے تنگ نے بھی کہیں یہ کہا ہے کہ Contradiction نہیں ہونی چاہئیں ان کو دور کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ اب بہت سارے ممالک میں لوگ ان کی نقل کرتے ہیں کیونکہ دنیوی لحاظ سے انہوں نے بڑی ترقی کی ہے۔

چنانچہ اگر وہ مسلمان کہلاتے ہیں تو وہ قرآن کریم کا حوالہ دینے کی بجائے چیئرمین ماؤزے تنگ کا حوالہ دیتے ہیں حالانکہ قرآن کریم نے ایک نہایت لطیف پیرایہ میں اس مضمون کو بیان کیا ہے اور وہ اس طرح پر کہ (مَیں اس وقت مختصراً صرف اس کا ڈھانچہ یعنی Out Line بیان کروں گا) قرآن کریم نے ہمیں کہا ہے کہ خدا تعالیٰ کی صفات کا رنگ اپنی صفات کے اُوپر اور اپنی زندگی کے اُوپر چڑھاؤ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کریم کی اس تعلیم کو بیان کرتے ہوئے کہا کہ تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰہِ یعنی اخلاق اللہ جیسے خُلق تمہارے اندر بھی ہونے چاہئیں۔قرآن کریم نے کہا ہے کہ جہاں خدا تعالیٰ کی اور بہت ساری صفات ہم نے انسان کے لئے بیان کی ہیں جن کا رنگ انسان کی فطرت کے مطابق اس کی طبیعت پر چڑھنا چاہیئے وہاں ایک بنیادی چیز یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی ان صفات میں جو قرآن کریم نے بیان کی ہیں بلکہ خدا تعالیٰ کی تمام صفات میں کوئی تضاد نہیں پایا جاتا۔اس واسطے اگر خدا تعالیٰ کے اخلاق کا رنگ اپنے خُلق پر چڑھانا ہے تو ہماری زندگی میں بھی کوئی تضاد نہیں ہونا چاہیئے۔ ہماری زندگی بغیر تضاد کے، بغیر Contradiction کے خُوب سے خُوب تر بن کر گذرنی چاہیئے یعنی جس طرح کلی سے گلاب کِھلتا ہے اسی طرح بچے کی زندگی اپنے مرتے دم تک کِھلنی چاہیئے اور اس کے اندر کوئی تضاد نہیں پایا جانا چاہیئے۔مَیں نے ایک دفعہ پہلے بھی کسی ضمن میں بتایا تھا کہ ہمارے ایک نوجوان کو یہ خواہش تھی کہ مَیں یونیورسٹی میں اول آؤں لیکن اس خواہش کے مطابق نہ اس کی استعداد تھی اور نہ اس کی محنت تھی۔صرف خواہش کے نتیجہ میں تو اعلیٰ درجہ کی کامیابیاں نہیں ملا کرتیں بلکہ اس کے لئے محنت کرنی پڑتی ہے۔ایسی محنت جو اس کامیابی کے مناسب حال ہو یعنی انسان کو خدا تعالیٰ نے عقل بھی اس کے مطابق دی ہو اور اس عقل کا استعمال بھی صحیح طور پر کیا گیا ہو۔ وقت ضائع نہ ہو اور اپنی صحت کو قائم رکھتے ہوئے پوری توجہ کے ساتھ وہ محنت کی جائے اور کوئی تضاد نہ ہو تو لڑکا کامیاب ہو جائے گا۔مَیں نے دیکھا ہے کہ جو فرسٹ آنے والے طالب علم ہیں یا بہت اچھے نمبر لینے والے طالب علم ہیں ان کی زندگی بڑی پیاری ہوتی ہے۔ اس کے اندر کوئی تضاد نہیں پایا جاتا۔ ایک مقصد ان کے سامنے ہوتا ہے اور اس کے حصول کے لئے وہ بڑے آرام سے پہلے دن سے ہی محنت کر رہے ہوتے ہیں۔

ایشین ممالک کی یہ بدقسمتی ہے کہ ہمارے ماحول میں ہماری زندگیوں میں تضاد پیدا کیا جاتا ہے۔ میں پرنسپل بھی رہا ہوں اور مَیں آکسفورڈ میں پڑھتا بھی رہا ہوں۔ مَیں نے وہاں جو حالات دیکھے میری خواہش ہوتی تھی کہ حصول تعلیم کے متعلق اس طرح کے حالات یہاں ہمارے بچوں کے لئے بھی پیدا کئے جائیں۔ اب ہمارے یہاں کے حالات یہ ہیں کہ ہوسٹل میں ہمارا ایک بچہ رہتا ہے۔ دھوبی اس کے کپڑے لے کر جاتا ہے جب وہ کپڑے دھو کر واپس لاتا ہے تو قمیص کے بٹن غائب ہوتے ہیں یا جو جراب صحیح سلامت تھی وہ پھٹی ہوئی ہوتی ہے۔ بعض طبیعتیں ایسی ہیں کہ وہ دیکھتے ہیں کہ کیسے کپڑے واپس آئے۔ چنانچہ انہیں کچھ وقت دھوبی سے جھگڑنے پر ضائع کرنا پڑتا ہے۔ اگر اس نے دس منٹ بھی بات کی اور کہا کہ بھلے مانس آدمی تم نے کیا کیا، میری بالکل نئی جراب تھی اور تم پھاڑ کر لے آئے ہو یا نئی قمیص تھی جو تم نے پھاڑ دی یا اس کے بٹن ضائع کر دیئے۔ پھر ہوسٹل میں اس کی بہن یا اس کی ماں یا اس کے عزیز تو نہیں بیٹھے ہوئے جو اس کے کپڑے سی دیں گے یا بٹن لگا دیں گے بلکہ اس کو خود وقت خرچ کر کے لگانے پڑیں گے۔ غرض کچھ وقت اس نے دھوبی کے ساتھ بات کرتے ہوئے ضائع کیا اور کچھ وقت اس نے اپنے کپڑوں کو درست کرتے ہوئے ضائع کیا، وہ تو ضائع ہو گیا۔ اگر ہمارے ماحول کے یہ حالات نہ ہوتے تو وہ وقت بچ جاتا اور اگر وہ چاہتا تو اس وقت کو اپنی پڑھائی پر خرچ کر سکتا تھا۔ آکسفورڈ میں مجھے کئی مہینے تک یہ پتہ نہیں لگا کہ کون کس وقت میرے کپڑے لے جاتا ہے اور کس وقت وہاں کپڑے واپس رکھ دیئے جاتے ہیں۔ پتہ ہی نہیں لگتا تھا کیونکہ وہاں کمرے بند کرنے کا رواج نہیں ہے اور نہ ہمارے پاس چابیاں تھیں بلکہ بارہ بارہ ہفتے کی جو چھٹیاں ہیں ان میں بھی چیزیں اسی طرح چھوڑ کر کمرے کھلے چھوڑ کر چلے جاتے تھے۔ ایک یہ خوبی بھی ہے کہ وہاں یہ خطرہ نہیں ہے کہ کوئی چیز گم ہو جائے گی اور اگر دھوبی کے ہاں پھٹی ہوئی جراب گئی ہے تو وہ رفو کر کے واپس دیں گے اور اگر قمیص کا بٹن ٹوٹ گیا ہے تو وہ بٹن لگا کر دیں گے۔ نہ اس سے بات کرنے کی ضرورت نہ کپڑے سینے کی ضرورت اور نہ جرابیں رفو کرنے کی ضرورت، اتنا وقت بچ گیا۔ وہاں یہ حال ہے کہ عام طور پر طالب علم شام کی چائے اپنے کامن روم میں پیتے ہیں (ان کو چائے پینے کی عادت ہے) یا اگر

کوئی دوست مل جائے تو وہ کسی ریسٹورنٹ میں چلے جاتے ہیں لیکن بعض اوقات وہ اپنے کمرے میں بھی دوست بلا لیتے ہیں۔ دو تین دوست بلائے تو ہر دو چار کمروں کا جو نوکر ہوتا ہے اس کو کہنا پڑتا ہے کہ مجھے چائے چاہیئے۔ آپ تصوّر بھی نہیں کر سکتے کہ وہاں وقت کا کتنا خیال رکھا جاتا ہے اس کو یہ بتانا پڑتا ہے کہ چائے مجھے سوا چار بجے چاہیئے یا ساڑھے چار بجے چاہیئے یعنی پندرہ منٹ کے فرق کا بھی خیال رکھتے ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ وقت بڑا قیمتی ہے یہ ضائع نہیں ہونا چاہیئے۔ اگر آپ نے کہا ہے سوا چار بجے چاہیئے تو وہ چار بج کر دس منٹ پر چائے اور ساری چیزیں آ کر لگا دے گا اور اگر آپ نے کہا ہے ساڑھے چار بجے چاہیئے تو وہ چار بجکر پچیس منٹ پر لے آئے گا۔ یہاں کی طرح نہیں ہے کہ جیسا ایک پنجابی کا لطیفہ مشہور ہے وہ لمبا ہے مَیں اس کا ایک حصہ بتا دیتا ہوں۔ ایک شخص لکھنؤ وغیرہ کی طرف سے اپنے دوست کو مل کر آیا تو اس کا نوکر بڑا اچھا تھا۔ اس نے بڑے وقت کے اوپر ہر کام کیا۔ اس نے کہا کہ مجھے بھی اپنے نوکر کی اہلیت کا مظاہرہ کرنا چاہیئے۔ چنانچہ جب اس کا دوست آیا تو اس نے کہا کہ جا دوست آیا ہے اس کے لئے لسّی لے کر آ۔ تو جس طرح اس کے دوست نے کہا تھا اسی طرح اس نے بھی دو چار منٹ گذرنے کے بعد کہا کہ نوکر دوکان پر پہنچ گیا ہوگا۔ پھر دو چار منٹ گذرے تو اس نے کہا کہ اب لسّی بنا کر دوکان سے واپس چل پڑا ہوگا۔ پھر چند منٹ گذرے تو کہنے لگا کہ اب پہنچ گیا ہوگا پھر اس کو آواز دی کہ اوتھو خیرے (جو بھی اس کا نام تھا) لسّی لے آیا ایں۔ وہ کہنے لگا جی مَیں تے جُتّی ڈھونڈ ریاں جان واسطے۔ اس کو احساس ہی کوئی نہیں۔ پس ہمارا جو ماحول ہے ہمارا وقت ضائع کرتا ہے لیکن اسلام نے تو وقت ضائع کرنے کی اجازت نہیں دی کیونکہ اس کے نتیجہ میں یہ اعلان کہ ہمارا سب کچھ خدا کے لئے ہے یہ غلط بن جاتا ہے۔ جو وقت ضائع ہو گیا وہ خدا کے لئے تو ضائع نہیں ہوا خدا تو اسے ضائع کرنا نہیں چاہتا۔

ہم نے مہدی علیہ السلام کو شناخت کیا اور ہم مہدی علیہ السلام پر ایمان لائے۔ حضرت مسیح موعود مہدی معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس اسلامی تعلیم کی الہاماً بھی یاددہانی کرائی گئی ہے۔ آپ کو الہام ہوا اَنْتَ الشَّیْخُ الْمَسِیْحُ الَّذِیْ لَا یُضَاعُ وَقْتُہٗ (تذکرہ ایڈیشن چہارم صفحہ ۳۱۸) کہ تُو وہ بزرگ مسیح ہے جس کا وقت ضائع نہیں ہوگا۔ پس جماعت احمدیہ پر بڑی ذمہ داری ہے

اور ہم یاددہانیاں بھی کراتے ہیں کہ معمور الاوقات بنو۔ وقت کے ہر حصے کے ساتھ خدا تعالیٰ کا کوئی نہ کوئی حکم وابستہ ہے اس کو بجالاؤ تو وقت معمور ہو جائے گا۔ بھرپور زندگی گذارو۔ خشک زندگی، سُست زندگی، کاہل زندگی اور بے خیر زندگی گذارنے کی تو ہمیں خدا نے تعلیم نہیں دی۔ پس ہم بہت کچھ سوچتے ہیں، دوستوں کو نصیحتیں کرتے ہیں اور دوستوں کو کہتے ہیں کہ ایک دوسرے کو نصیحتیں کیا کرو۔ ان میں سے ایک نصیحت یہ ہے کہ ایک منصوبہ یہ ہے کہ میں نے تحریک کی تھی کہ دوست وقفِ عارضی میں پندرہ دن کا وقف کر کے دوسری جگہوں پر جائیں۔ اِس میں بڑی برکت ہے جو دوست اس منصوبہ کے تحت گئے مجھے سینکڑوں کی تعداد میں ان کے خط ملے جن میں انہوں نے یہ لکھا کہ انہوں نے بھی فائدہ اٹھایا ہے کیونکہ باہر جانے سے پہلے انسان زیادہ متوجہ ہو جاتا ہے کہ میں دوسری جگہ جارہا ہوں لوگ مجھ سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ السلام کی کتب کے متعلق سوال کریں گے پھر وہ پڑھتا ہے اور کتب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پڑھنے پر زیادہ وقت دیتا ہے اور زیادہ غور اور زیادہ توجہ سے پڑھتا ہے، سوچتا ہے، دعائیں کرتا ہے۔ بہتوں کو اللہ تعالیٰ نے بڑے پیار سے نوازا اور ان کو سچی خوابیں دکھائیں اور ان کے کاموں میں برکت ڈالی اور وہ بڑے خوش ہو کر اور روحانی سرور حاصل کرنے کے بعد واپس لوٹے۔ نیز جہاں وہ گئے ان کو یہ خیال ہوتا تھا کہ باہر سے آئے ہیں۔ چھوٹی چھوٹی باتیں جو ہم بھول جاتے تھے اور جن کی طرف توجہ نہیں کرتے تھے مقامی دوست سوچتے ہیں باہر سے آنے والے بھائیوں کے سامنے تو اس سستی کا مظاہرہ نہیں ہونا چاہیئے۔ چنانچہ انہوں نے اپنا محاسبہ کرنا شروع کیا۔ ایک دوسرے سے باتیں کیں، ایک دوسرے سے واقفیت حاصل کی، ایک دوسرے سے پیار کرنا سیکھا۔ برادری اور اخوت اور بھائی چارے کا ماحول پیدا ہوا اور آپس میں باتیں کرنے کے بعد انہوں نے روحانی طور پر زیادہ تیزی کے ساتھ قدم آگے بڑھانے شروع کئے۔ اب جیسا کہ مشاورت پر بھی جماعت کے ذمہ دار عہدیداروں اور نمائندوں کے سامنے یہ بات لائی گئی تھی اس میں کچھ سستی پیدا ہوگئی ہے اس کی طرف توجہ دلائی گئی تھی اور دراصل تو میں سمجھا کہ مجھے خدا تعالیٰ نے توجہ دلائی ہے کیونکہ یہ تو میرا کام ہے کہ مَیں جماعت کو کہوں کہ اس طرف توجہ کریں اور یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ جب میں ان کو توجہ دلاتا ہوں تو وہ پوری

تندہی کے ساتھ توجہ کرتے ہیں۔مَیں جو بات بھی دین کے لئے اور خدا کے پیار کے حصول کے لئے کہوں وہ اس کو مانتے ہیں اور بشاشت کے ساتھ مانتے ہیں۔

اِس وقت ہم کئی لحاظ سے نازک وقت میں سے گذر رہے ہیں چنانچہ اس وقت دو باتیں بڑی اہم ہیں اور یہ باتیں جماعت کو ہمیشہ مدنظر رکھنی چاہئیں۔ایک چیز تو ہمارے ملک کے ساتھ تعلق رکھتی ہے ہمارے ملک میں جو حالات پیدا ہوئے اس کے نتیجہ میں جو چھوٹے چھوٹے افسر لوگ ہیں انہوں نے احباب جماعت کو تنگ کرنا ملک کی ترقی کا ایک ذریعہ سمجھ لیا ہے۔ان کو غلط فہمی ہے اور وہ ایسا ماحول پیدا کر رہے ہیں کہ مجھے بعض دفعہ یہ خطرہ محسوس ہوتا ہے کہ جو بنیادی تعلیم ہمیں اسلام نے دی ہے اور جس بنیادی تعلیم کی طرف بانیٔ سلسلہ عالیہ احمدیہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت مہدی معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام (آپ دو حیثیتوں میں آئے) نے ہمیں بُلایا اور آپ نے جماعت کو شروع سے ہی پہلے دن سے ہی یہ تلقین کی اور سلسلہ کی یہ روایت ہے کہ قانون کو اپنے ہاتھ میں نہیں لینا۔قانون شکنی نہیں کرنی بلکہ قانون کی پابندی کرنی ہے۔مجھے یہ فکر رہتی ہے کہ ایسا نہ ہو کہ ان لوگوں کے رویہ کے نتیجہ میں جن کو میں چھوٹے درجے کے افسر کہتا ہوں بعض جوشیلے نوجوان کسی وقت غصہ میں آ کر یہ سمجھنے لگیں کہ ہم قانون کو اپنے ہاتھ میں لینے کے مجاز بن گئے ہیں۔بالکل نہیں ہرگز نہیں۔پس آپس میں یہ باتیں کر کے اور سوچ کے اور اس پر غور کر کے اور پوری توجہ کے ساتھ اس بنیادی چیز کو سامنے رکھتے ہوئے اپنے نفسوں پر کنٹرول کرو اور ان کو اپنے قابو میں رکھو۔جس طرح ایک اچھا شہسوار گھوڑے کو اپنے قابو میں رکھتا ہے اسی طرح اپنے نفسوں کو قابو میں رکھتے ہوئے انہیں غلط راہوں پر پڑنے سے روکنا چاہیئے۔ہماری پناہ ان حالات میں ہمارا مولیٰ ہے اور ایک معمولی عقل رکھنے والا احمدی بھی اچھی طرح یہ جانتا ہے کہ اس کی اپنی طاقت سے بے شمار گنا زیادہ اس کے اس رب کی طاقت ہے جس پر وہ ایمان لایا اور جس کے حضور اَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلّٰهِ کے مطابق اس نے اپنا سب کچھ پیش کر دیا اور اس کے سپرد کر دیا، وہ آپ کو کیسے ضائع کر دے۔اس واسطے قانون شکنی کا تخیل بھی نہیں آنا چاہیئے۔مَیں یہ نہیں کہتا کہ احمدی قانون توڑنے پر عملاً تیار ہو جائیں گے مجھے جو خطرہ محسوس ہوتا ہے اور جس وجہ سے مَیں آپ کی خاطر استغفار کرتا رہتا ہوں وہ یہ ہے

کہ کہیں آپ کے دماغ میں بھی یہ بات نہ آئے کہ کیا ان حالات میں پھر قانون توڑنا جائز ہو جائے گا جبکہ قانون کا رکھوالا جس کو ہم افسر کہتے ہیں وہ خود اپنے ملک کے قانون کو توڑ رہا ہے نہیں! اگر وہ قانون کو توڑ رہے ہیں تب بھی آپ لوگ وہم بھی نہ کریں کہ آپ نے قانون کو توڑنا ہے اور وقف عارضی کے جو وفود باہر جائیں وہ خاص طور پر یہ نوٹ کریں اور دوستوں سے یہ باتیں کریں کہ یہ ہماری تعلیم ہے اور ہم ملک میں کسی طور پر بھی فتنہ وفساد پیدا نہیں ہونے دیں گے خواہ حالات کیسے ہی کیوں نہ پیدا کر دیئے جائیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ بعض لوگ جو اپنی جہالت کی وجہ سے یہ سمجھتے ہیں کہ وہ ہم سے دشمنی رکھتے ہیں اور وہ ہمارے دشمن ہیں وہ جانتے بوجھتے ہوئے ایسا ماحول پیدا کرتے ہوں کہ جس سے احمدی بھڑکیں اور اس طرح جماعت کو نقصان پہنچے۔ ہم قانون شکنی سے باز رہیں گے اس لئے نہیں کہ قانون شکنی سے اس رنگ میں جماعت کو نقصان پہنچے گا جس رنگ میں کہ وہ سوچ رہے ہیں بلکہ اس لئے کہ قانون شکنی سے ہمارا خدا ہم سے ناراض ہو جائے گا اور خدا تعالیٰ کی چھوٹی ناراضگی بھی ہمیں برداشت نہیں ہے۔ پس خدا کے خوف سے نہ کہ دنیا اور دنیاداروں کے خوف سے یا دنیا کے جو افسر لوگ ہیں ان کے خوف سے، ہم نے قانون شکنی سے باز رہنا ہے خدا کے خوف سے۔

خشیۃ اللّٰہ کے نتیجہ میں تقویٰ اللہ کے نتیجہ میں ہم نے قانون کو اپنے ہاتھ میں لینے کا تصور بھی اپنے دماغ میں نہیں لانا۔ یہ دنیا سے تعلق رکھنے والی بات ہے لیکن ہے اسلامی تعلیم کی اساس پر۔ یعنی بظاہر اس کا تعلق اس دنیوی زندگی سے ہے لیکن اس کی بنیاد وہ اسلامی تعلیم ہے جو ہمیں دی گئی ہے کہ دنیا میں فتنہ اور فساد نہیں کرنا۔ اس زمانہ میں جس میں کہ مہدی علیہ السلام آ چکے ہیں اس میں تو نوع انسانی کو ایک امت واحدہ اور ایک خاندان بنانے کا کام ہمارے سپرد کیا گیا ہے اور ہم نے پیار سے انسانیت کا دل جیت کر اسے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے تلے لانا ہے۔ پس شیطان کوئی وسوسہ ہمارے ذہن میں ڈال کر ہمیں اپنی راہ سے بھٹکنے پر مجبور نہیں کر سکتا۔ خدا تعالیٰ نے ہمیں یہ طاقت دی ہے اور میں امید رکھتا ہوں اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے جماعت کو ہمیشہ اس قسم کے وسوسوں اور ان کے شر سے محفوظ رکھے گا۔

دوسری بات جو بہت اہم اور بہت بنیادی ہے وہ یہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام

مثیلِ مسیح ہیں اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ (النور:۵۶) پر بنیاد رکھ کر قرآن کریم کی آیات سے استدلال کیا اور فرمایا کہ امت محمدیہ میں آخری خلیفہ کے آنے کی جو بشارت تھی اس کے مطابق مجھے مہدی معہود و مسیح موعود بنا کر بھیجا گیا ہے۔ مسیح موسوی علیہ السلام پر ایمان لانے والوں پہ جو بیتی، ان پہ جو گذری اس سے ہمیں سبق لینا چاہیئے۔ اُن کو یہودیوں نے اتنا تنگ کیا، انہیں اتنا دکھ پہنچایا اور ان کو موسوی شریعت سے اتنا پرے دھکیلا کہ ایک عرصہ کے بعد دو علیحدہ علیحدہ مذہب بن گئے۔ دو جماعتیں اور دو ایکسٹریمز (Extremes) بن گئیں جو بالکل نمایاں طور پر ایک دوسرے کے خلاف تھیں۔ ایک مسیحی کہلانے لگے اور ایک یہودی کہلانے لگے حالانکہ حضرت مسیح ناصری علیہ السلام تو یہودی شریعت کے قیام کے لئے آئے تھے لیکن ایک خلیج بیچ میں پیدا کر دی گئی لیکن مسیح محمدی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان کی جماعت کا مقام مختلف ہے اور اس کے مطابق خدا تعالیٰ نے امت محمدیہ کو بشارتیں دی ہیں۔ ہر بشارت ماننے والوں پر ایک ذمہ داری ڈالتی ہے اور جو بشارت جتنی بڑی ہوتی ہے اتنی ہی بڑی ذمہ داری ڈالتی ہے۔ اس وقت ہم سے یہ کہا جا رہا ہے کہ تم اقرار کر لو کہ ہم مسلمان نہیں۔ ہم کیسے اقرار کر لیں مہدی علیہ السلام تو مبعوث ہی اس غرض سے ہوئے ہیں کہ اسلام کے چہرے پر جو گرد ڈال دی گئی ہے اس سے اسلام کے چہرے کو صاف کر کے اور اسلامی تعلیم میں، عقائد میں اور اعمال میں جو بدعتیں اور بدرسوم شامل کر دی گئی ہیں ان سے ان کو پاک اور صاف کر کے اسلام کا خالص اور حسین چہرہ دنیا کے سامنے پیش کریں اور یہ دعویٰ مرزا غلام احمد (مہدی معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے نہیں کیا بلکہ یہ بشارت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی تھی۔

ہمارے بھائی شیعہ حضرات نے مہدی علیہ السلام کے متعلق احادیث بڑے پیار اور محنت سے اکٹھی کی ہیں اور سنبھالی ہوئی ہیں کیونکہ وہ مہدی منتظر کا انتظار کر رہے تھے اور غیر شیعہ بھی مہدی کا انتظار کر رہے تھے۔ مہدی آ گئے اور ہم نے خدا کی توفیق سے انہیں شناخت کر لیا لیکن خدا تعالیٰ ان کو بہتر رنگ میں بہتر جزا دے کہ انہوں نے ان احادیث کو جن کا تعلق مہدی علیہ السلام کے ساتھ تھا سنبھال کر رکھا اور اس میں کوئی فرقہ وارانہ تعصب نہیں برتا۔ آجکل جو کتابیں ایران

میں چھپ رہی ہیں ان میں سے کچھ یہاں پہنچی ہیں ساری تو نہیں پہنچیں میرے خیال میں بارہ پندرہ پہنچ چکی ہیں ان کے بہت سے حصے مَیں نے خود دیکھے ہیں۔ جب شروع میں مَیں نے دیکھے تو مجھے یہ دیکھ کر بے حد خوشی ہوئی کہ جہاں تک احادیث کے اکٹھا کرنے کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال کے اکٹھا کرنے کا سوال تھا ان کے اندر کوئی تعصب نہیں ہے یعنی ہمارے جو شیعہ بھائی ہیں ان کی کتب میں ان کے علماء نے یہ لکھا ہے کہ امام بخاریؒ سے یہ روایت مروی ہے اور امام شافعیؒ سے یہ روایت مروی ہے اور امام ابو حنیفہؒ سے یہ روایت مروی ہے اور سید عبدالقادر جیلانیؒ سے یہ روایت مروی ہے۔ غرض ان کے پرانے لٹریچر میں کسی فرقہ اور کسی فقہی مسلک کے مابین کوئی فرق نہیں ہے انہوں نے سب احادیث اکٹھی کر دی ہیں۔ اُنہوں نے اپنی کتابوں میں ایک حدیث یہ بھی محفوظ کی ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی محفوظ کیا ہے کہ ایک روز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہؓ کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے تو آپ نے انہیں فرمایا کہ مہدی علیہ السلام کے زمانہ میں اسلام میں اس قدر بدعات شامل ہو چکی ہوں گی کہ جب مہدی اسلام کو ان بدعات سے پاک کر کے اس کی صحیح شکل میں اسے دُنیا کے سامنے پیش کرے گا تو لوگ کہیں گے کہ یہ نیا دین اور نئی کتاب لے آیا ہے۔ یہ کیسی باتیں کر رہا ہے۔ گویا وہ بد رسوم اور بدعقائد کی وجہ سے اسلام کی صحیح شکل کو شناخت نہیں کر سکیں گے لیکن ہم مہدی علیہ السلام پر ایمان لائے اور جس جماعت کا یہ مقام ہو، اس بشارت کے نتیجہ میں جو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ان سے یہ توقع رکھنا کہ وہ اپنے آپ کو غیر مسلم کہنے لگ جائیں گے اور کوئی نیا دین اور کوئی نئی کتاب بنالیں گے، یہ توقع عبث ہے۔ اس لحاظ سے تو ٹھیک ہے کہ جس چیز کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے تسلیم کیا اسے ہم بھی تسلیم کرتے ہیں کہ جس وقت مہدی علیہ السلام کو تمام بدعات اور بدعقائد اور بد رسوم سے پاک کر کے اسلام کو اس کی حسین اور صحیح شکل میں دُنیا کے سامنے پیش کریں گے تو آپ پر یہ اعتراض کیا جائے گا کہ یہ نیا دین اور نئی کتاب لے آیا ہے۔ لوگ کہیں گے کہ یہ نیا دین لے آئے ہیں اور اُنہوں نے نئی کتاب بنا لی ہے نہ قرآن پر عمل کرتے ہیں نہ دین اسلام پر عمل کرتے ہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تھا کہ مہدی کے زمانہ میں ایسا ہو گا اور آج جو کہتے ہیں کہ ایسا ہوا وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کے ارشاد کے عین مطابق اور ہماری صداقت کے ثبوت میں ایسا کہتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نیا مذہب لے کر آ گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تھا کہ سچے مہدی کی یہ علامت ہے کہ جب وہ آئے گا تو اسلام کے چہرے کو ہر قسم کی گرد سے صاف کر کے اس کے حسین چہرے کو دُنیا کے سامنے پیش کرے گا تو اس وقت یہی کیا جائے گا۔ پس دُنیا نے اگر یہ کہا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نیا دین اور نئی کتاب لے کر آ گئے ہیں تو عین اس کے مطابق کہا جو آج سے چودہ سو سال پہلے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا تھا لیکن ہمارے اوپر ایک ذمہ داری ہے ہمارے لئے اس دُنیا سے کوچ کر جانا زیادہ آسان ہے بہ نسبت اس کے کہ ہم یہ کہیں کہ ہمارا دین دینِ اسلام کے علاوہ کوئی اور دین، اور ہمارا نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کوئی اور نبی ہے۔

وقفِ عارضی کے جو وفود باہر دوسری جگہوں پر جائیں وہاں بھی اور پھر واپس آ کر اپنے ہاں بھی یہ بات اچھی طرح دلوں میں گاڑ دیں کہ اسلام کو ہم نہیں چھوڑ سکتے۔ اپنی جانوں کو چھوڑ سکتے ہیں، اپنے مالوں کو چھوڑ سکتے ہیں، اپنے بیوی بچوں کی گردنیں کٹوا سکتے ہیں لیکن اسلام کو نہیں چھوڑ سکتے۔ یہ ہو ہی نہیں سکتا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کسی صورت میں بھی کوئی احمدی اپنے آپ کو اسلام سے دور نہیں کہہ سکتا اپنے آپ کو غیر مسلم نہیں کہہ سکتا۔ باقی اگر کوئی شخص ہمیں کافر کہتا ہے تو یہ نئی بات نہیں اسّی (۸۰) سال سے ہمیں کافر کہا جا رہا ہے البتہ تم یہ سوچ لو کہ تم نے خدا تعالیٰ کے حضور جوابدہ ہونا ہے۔ تم مخالفین جو مرضی کہہ لو ہم اپنے منہ سے کیسے وہ چیز کہہ سکتے ہیں جو حقیقت سے دور اور نفاق کی بدبو اپنے اندر رکھتی ہے۔ ہمارا جو رشتہ ہمارے پیار کرنے والے رب کے ساتھ ہے ہم کیسے وہ توڑ سکتے ہیں ہمارا جو تعلّقِ محبت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہے اس تعلق کو تمہاری کوئی تدبیر قطع نہیں کر سکتی، خدا کے فضل اور اس کے رحم کے ساتھ۔ یہ باتیں آپس میں کیا کرو اور وقفِ عارضی پر جو دوست باہر جائیں وہ جا کر ایسی باتیں کہیں۔ جماعت خدا تعالیٰ کے فضل اور اس کی رحمت کے اتنے نشان دیکھ چکی ہے کہ جن کا شمار نہیں۔ انفرادی نشان بھی، ایک ایک گاؤں میں بھی خدا نے اپنی قدرتوں کے نشان دکھائے اور ساری دُنیا میں بھی وہ اپنی قدرتوں کے نشان اور اپنے پیار کے سلوک کے نشان دکھا رہا ہے۔ اس کے

بعد ناشکری کی کوئی راہ تو ہم اختیار نہیں کر سکتے اور ہماری ذمہ داری یہ نہیں ہے کہ ہم ڈنڈے کے ساتھ یا تیر کمان کے ساتھ یا بندوق کے ساتھ یا ایٹم بم کے ساتھ دُنیا کو اسلام کی طرف لے کر آئیں۔ ہماری ذمہ داری یہ ہے کہ ہم پیار کے ساتھ، ہم بے لوث خدمت کے ساتھ، ہم خدا تعالیٰ کے حضور جھک کر اس سے برکتیں حاصل کر کے خدا تعالیٰ کے فضلوں کو لوگوں تک پہنچا کے، خدا تعالیٰ کا انسان سے تعارف کروا کے اور اسلام نے انسان میں مساوات اور انسان کے حقوق کو قائم کرنے کے لئے جو صحیح تعلیم دی ہے نوع انسانی کو اس سے روشناس کروا کے نوع انسانی کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے تلے لانے کی کوشش کریں، یہ ہماری ذمہ داری ہے۔ پس عاجزانہ راہوں کو اختیار کر کے بغیر کسی فخر اور غرور کے، بغیر کسی نخوت اور تکبر کے، سروں کو جھکائے ہوئے اس راہ پر چلتے رہو جو صراط مستقیم کہلاتی ہے اور جو خدا تعالیٰ کے پیار کو جذب کرنے والی راہ ہے اور سوائے خدا کے کسی سے نہ ڈرو اور خدا تعالیٰ کی راہ میں اگر تکلیف اُٹھانی پڑے تو اسے بشاشت سے اٹھاؤ۔ تکلیف سے بچنے کے لئے ایک احمدی کا دل اور اس کا دماغ اور اس کی روح خدا تعالیٰ کو چھوڑنے کے لئے کیسے تیار ہو جائے گی۔ ہماری روح تو یہ بات سوچ کر بھی کانپ اُٹھتی ہے۔ اتنا پیار کرنے والا خدا جس نے آج تک ہمیں لاوارث نہیں چھوڑا وہ آئندہ بھی نہیں چھوڑے گا۔ اس کی طاقتوں میں تو کبھی کوئی کمی نہیں آئی اور نہ آسکتی ہے باقی جب تک دل نہیں بدلتے دُنیا آپ کو یہی سمجھتی رہے گی اور دل بدلنا خدا کا کام ہے۔ انسان کا دل خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے لیکن آپ کا فرض یہ ہے کہ اپنے نمونہ سے جیسا کہ اَسۡلَمۡتُ وَجۡهِیَ لِلّٰهِ میں کہا گیا ہے۔ دُنیا کو یہ بتاؤ کہ ہم اسلامی تعلیم پر قائم ہیں کسی ایک حکم کی خلاف ورزی کرنے کے لئے بھی ہم تیار نہیں ہیں۔ اگر اس کے باوجود تمہارے نزدیک کافر ہیں تو جو تمہاری مرضی ہے کہتے رہو لیکن ہم اسلامی تعلیم میں سے کسی ایک حکم کو بھی چھوڑنے کے لئے تیار نہیں۔ یہ دوسری اہم اور بنیادی بات ہے ایسی بات جو ہماری زندگی اور ہماری روح ہے ہماری پیاس بجھانے والا پانی ہے اس کو سمجھو، اسے پہچانو، اس سے فائدہ اُٹھاؤ۔ اس سے اپنی پیاس بجھاؤ اور اس کے ذریعہ سے خدا تعالیٰ کے پیار کو حاصل کرو۔ خدا کرے کہ ہمیں اس کی توفیق ملتی رہے۔

(روزنامہ الفضل ربوہ ۳؍اگست ۱۹۷۶ء صفحہ ۲ تا ۷)